اللہ تعالیٰ کی صفت عظیم اور اعلیٰ کا بیان

نیز حضور کی رؤیا کہ میں حمید الرحمٰن بن گیا ہوں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ / دسمبر ۱۹۸۵ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی تلاوت کی:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۶﴾ (البقرہ: ۲۵۶)

اور پھر فرمایا:

سورۂ فاتحہ کو جو مقام سورتوں میں حاصل ہے وہی مقام آیۃ الکرسی کو آیات قرآنی میں حاصل ہے۔ ایک ایسی آیت ہے جو ایک غیر معمولی شان اور غیر معمولی امتیاز رکھتی ہے اور اس شان کی آیت تمام دنیا کی کتب بھی ڈھونڈیں یعنی سماوی کتب کو ڈھونڈیں اور تلاش کریں تو اس کی کہیں آپ کو نظیر نہیں ملے گی۔ ویسے تو قرآن کریم کی کسی آیت کی بھی نظیر بنانا ممکن نہیں مگر جب ہم یہ کہتے ہیں تو مراد ہے غیر اللہ کے لئے لیکن جب میں یہ کہہ رہا ہوں کہ دوسری کتب میں اس کی نظیر نہیں ملتی تو مراد یہ ہے کہ سماوی کتب، میں دوسرے ادیان کی کتب میں کوئی آیت بھی اس شان کی آیت آپ کو نظر نہیں آئے گی جو آیت الکرسی ہے۔

لیکن اس کی تفسیر کی غرض سے میں یہاں اس وقت نہیں کھڑا ہوا۔ اس کا جو آخری حصہ میں نے

تلاوت کیا ہے یعنی وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۶﴾ یہ اس لئے تلاوت کیا ہے کہ اس میں دو صفات باری تعالیٰ کا ذکر ملتا ہے جن کا نماز سے بھی گہرا تعلق ہے۔ خدا تعالیٰ کے علو اور اس کی عظمت کا ذکر ملتا ہے اور رکوع میں ہم خدا کی عظمت کے گیت گاتے ہیں اور سجدہ میں اس کے علو مرتبت کے گیت گاتے ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ نماز کے ارکان میں جو امتیازی شان رکوع اور سجود کو حاصل ہے ویسی اور کسی رکن کو حاصل نہیں۔ تو گویا رکوع اور سجدہ نماز کا معراج ہیں اور ان کے لئے خدا تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اپنی حمد میں سے یہ دو صفات چنیں: عظیم اور اعلیٰ۔

میں غور کرتا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ کیوں ہر حرکت سے پہلے اللہ اکبر کہنے کا حکم ہے لیکن رکوع سے بلند ہوتے وقت اللہ اکبر کی بجائے ہم سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه، کہتے ہیں۔ تو اس کی دو وجوہات مجھے سمجھ آئیں اول یہ کہ میں سمجھتا ہوں کہ جہاں تک ظاہری حرکات کی مناسبت کا تعلق ہے رکوع سے سجدہ اگلا قدم ہے لیکن رکوع سے سیدھا اگر سجدے میں چلے جائیں تو اس سے سجدے اور قیام کے درمیان جو نمایاں امتیاز پیدا ہوتا ہے وہ امتیاز پیدا نہیں ہوسکتا۔ سجدے میں جو عاجزی کی شان ہے ویسی شان نہیں بن سکتی جب تک کھڑی حالت میں انسان سجدے میں نہ گرے۔ اس لئے دراصل ایک Interlude ہے یہ۔ جب ہم کھڑے ہوتے ہیں دوسری مرتبہ سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر تو رکوع اور سجدے کے درمیان ایک وقفے کی حالت ہے۔ جس سے سجدے کی عظمت کو نمایاں کرنا مقصود ہے۔ دوسری وجہ یہ سمجھ آئی کہ حمد کا معراج ہے عظیم اور اعلیٰ اور ان دونوں کے مابین سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه کہہ کر یہ مطلع فرمایا گیا کہ وہ جو خدا کی عظمت اور اس کے علو کے گیت گانے والے ہیں انہیں خوش خبری ہو، مبارک ہو ان کو کہ ان کی دعائیں سنی گئیں۔

اس پہلو سے جب خدا کے عظیم ہونے اور اس کے اعلیٰ ہونے پر غور کیا جائے تو سجدے میں بھی اور رکوع میں بھی بہت زیادہ گہرائی پیدا ہو جاتی ہے اور بہت زیادہ عظمت عطاء ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر غور اسی حالت میں کیا جائے بلکہ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران: ۱۹۲) سے پتہ چلتا ہے کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے مومن صفات باری تعالیٰ پہ غور کرتے رہتے

ہیں اور غور کے نتیجے میں خدا کی صفات ان کے اندر نئی شان کے ساتھ جنم لینے لگتی ہیں گویا، ان کے وجود میں بھی اور ان کے تصورات میں بھی اور پھر جب وہ ایک لفظ عظیم کہتے ہیں تو ان کا خدا کو عظیم کہنا دوسرے لوگوں کے عظیم کہنے کے برابر نہیں ہوسکتا یا یوں کہنا چاہئے کہ عام لوگوں کا خدا کو عظیم کہنا اُن لوگوں کے عظیم کہنے کے برابر نہیں ہوسکتا جنہوں نے خدا کی عظمتوں پر غور کیا ہو اور اس کی عظمتوں کو پہچانا ہو اور اس کی عظمتوں کو اپنے وجود پر وارد کیا ہو۔ اسی طرح علو کا مضمون ہے۔ اس میں بھی بہت ہی وسعتیں ہیں۔ تو ان پر جتنا آپ غور کریں گے اتنا ہی زیادہ آپ کے رکوع اور آپ کے سجدے میں اللہ تعالیٰ برکتیں رکھ دے گا اور اتنا ہی زیادہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه، آپ کے حق میں پورا ہوگا۔

چنانچہ اس حکمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں آپ کے سامنے مثال کے طور پر لفظِ عظیم کو رکھتا ہوں اور اس کی وضاحت کرتا ہوں۔ ویسے تو بہت ہی لمبا اور بڑا مضمون ہے لیکن مختصراً سمجھانے کے لئے میں نے چند باتیں چنی ہیں۔

سب سے پہلی بات عظیم کے متعلق یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ اپنی ذات میں نہ اچھائی کے معنی رکھتا ہے نہ برائی کے معنی رکھتا ہے بلکہ نہایت بری چیزوں کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور نہایت اچھی چیزوں کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ مثلاً عَذَابٌ عَظِيمٌ (البقرہ: ۱۱۵) قرآن کریم میں آتا ہے اور اسی طرح اور بہت سی ایسی چیزیں جو مکروہات میں یا نہایت ہی خوفناک حیثیت رکھنے والی چیزیں ہیں ان کے متعلق بھی عظیم کا لفظ بولا گیا ہے۔ عذاب عظیم کے مقابل پر مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيمٌ (الحجرات: ۴) بھی بولا گیا ہے۔ اسی طرح الْخِزْيُ الْعَظِيمُ (التوبہ: ۶۳) قرآن کریم میں بہت ہی بڑی ذلت اور رسوائی کیلئے الْخِزْيُ الْعَظِيمُ کا لفظ آیا اور اس کے مقابل پر پھر الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبہ: ۷۲) بھی فرمایا کہ بہت ہی بڑی کامیابی۔ پھر الْحِنْثِ الْعَظِيمِ (الواقعۃ: ۴۷) فرمایا یعنی ایسا گناہ جو بہت ہی بڑا ہو اور اس کے مقابل پر آنحضرت ﷺ کے متعلق فرمایا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم: ۵) تو بہت ہی بڑے خلق پر واقع ہوا ہے، تیرا خلق بہت بلند ہے۔ اسی طرح حَظٍّ عَظِيمٍ (القصص: ۸۰) برے معنوں میں بھی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے اور اچھے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ذُوْ حَظٍّ عَظِيمٍ (حٰمٓ السجدہ: ۳۶) کا محاورہ بعینہٖ ایک دوسرے سے بالکل مخالف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مُّلْكًا عَظِيمًا (النساء: ۵۵) بھی فرمایا

گیا اور اللہ تعالیٰ کو الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (البقرہ:۲۵۶) بھی فرمایا گیا ہے تو یہ لفظ اپنی ذات میں بہت ہی وسعت رکھتا ہے۔ جب ہم **سبحان ربی العظیم** کہتے ہیں تو اس وقت یہ معنی تقسیم ہو جاتے ہیں وہ سارے معنی جو برے ہیں وہ کٹ کر الگ ہو جاتے ہیں اور عظیم کے وہی معنی باقی رہ جاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے ساتھ نسبت رکھ کے اپنے اندر حسن پیدا کر لیتے ہیں۔

تو واضح پیغام پہلا پیغام ہمیں یہ ملا کہ محض عظمتیں کوئی چیز نہیں۔ ہیں محض بڑی نظر آنے والی چیزیں، رعب دار چیزیں جن سے انسان مرعوب ہو جائے اور اپنے آپ کو چھوٹا محسوس کرے یہ اپنی ذات میں ان چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ عظمت وہی ہے جو رب کی طرف منسوب ہو۔ عظمتیں وہی ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوں۔ پس عظمت کا تصور فی ذاتہٖ انسان کو غلط رستوں کی طرف جو لے جا سکتا تھا، رکوع نے وہ آدھے رستے جو غلط سمتوں میں جانے تھے اُن کے آگے روکیں کھڑی کر دیں، دیوار بنادی اور صرف اچھی عظمتوں کی طرف جانے کی تمنا پیدا کر دی۔ اور ''میرا رب'' کہہ کر **سبحان ربی العظیم** ایک امید پیدا کر دی کہ ان عظمتوں کو تم حاصل بھی کر سکو گے کیونکہ یہ ساری عظمتیں تمہارے رب کے پاس ہیں۔ جب کہتے ہو ''میرا رب'' تو مراد ہے ہاں وہ رب جس سے میں یہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہوں، جو میرا مالک اور میرا خالق ہے اور جتنا میں اس سے تعلق بڑھاؤں گا اتنا ہی اچھی عظمتیں مجھے نصیب ہوں گی۔

دوسرے لفظ عظیم میں اپنی ذات میں ایک ایسی عظمت پائی جاتی ہے جو باقی صفات باری تعالیٰ سے اس لفظ کو ممتاز کر رہی ہے۔ کوئی ایک بھی صفت ایسی نہیں جس کو دوسری صفت پر چسپاں کیا جا سکے یعنی دوسری ہر صفت پر چسپاں کیا جا سکے۔ مثلاً آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بڑا رحیم منتقم ہے یا اگر یہ کہہ بھی سکیں ایک خاص عارفانہ معنوں میں تو یہ نہیں کہیں گے کہ اول منتقم ہے آخر منتقم ہے، باطن منتقم ہے، ظاہر منتقم ہے، رحمٰن منتقم ہے، غفور منتقم ہے۔ بعض صفات بعض صفات کے ساتھ جوڑ کھا جائیں گی اور بعض صفات بعض صفات کے اوپر چسپاں نہیں ہو سکتیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی صفتِ عظیمیت ہر دوسری صفت کے ساتھ لگ کر اس میں عظمت کے معنی پیدا کر دیتی ہے وہ عظیم رحمان ہے، وہ عظیم غفور ہے وہ عظیم رحیم ہے، وہ عظیم منتقم ہے، وہ عظیم باطن ہے، وہ عظیم ظاہر ہے، وہ عظیم اول ہے، وہ عظیم آخر ہے۔ تو اس لفظ کے اندر جو عظمت پائی جاتی ہے وہ اس میں اتنی وسعت پیدا کر دیتی ہے کہ تمام صفات

باری تعالیٰ کے ساتھ چسپاں ہو کر ان کو ایک نئی شان کے ساتھ یہ لفظ نمایاں کر دیتا ہے۔

پس جب آپ عظیم کہتے ہیں تو اسی لفظ عظیم کے اندر خدا کی ہر صفت کا تصور باندھ سکتے ہیں اور یہ سوچ سکتے ہیں کہ میرا وہ رب عظیم ہے جو یہ ہے، میرا وہ رب عظیم ہے جو یہ ہے۔ اور ہر قسم کی دعا اسی تحمید کے اندر داخل کر سکتے ہیں یعنی بظاہر خدا کی حمد کے گیت گا رہے ہیں، بباطن بھی حمد کے ہی گیت گا رہے ہیں لیکن ساتھ ہی دعا کا مطلب بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ کسی خاص حالت میں جب اپنے گناہوں کے تصور سے انسان کی جان ہلاک ہو رہی ہو اس وقت رَبِّیَ الْعَظِیْم جب کہے گا تو خدا کی مغفرت کی عظمت کا تصور نمایاں طور پر اس کے سامنے آئے گا۔ اس کے عفو کا تصور نمایاں طور پر اس کے سامنے آئے گا اور یہ سوچے گا کہ ہاں بہت گناہگار ہوں لیکن میرا رب بہت عظیم ہے، اپنی مغفرت میں بہت عظیم ہے، اپنے عفو میں بہت عظیم ہے۔ غرضیکہ اس لفظ کی عظمت میں تمام عظمتیں سما جاتی ہیں اور اس ایک صفت کے اندر خدا تعالیٰ کی تمام صفات کا بیان ہو سکتا ہے اور دعا کے رنگ میں بیان ہو سکتا ہے۔

جہاں تک لفظ اعلیٰ کا تعلق ہے اگر چہ عظیم لفظ میں مدمقابل کا تصور ذہن میں نہیں ابھرتا بلکہ اپنا عجز کسی عظیم کے مقابل پر سامنے آتا ہے۔ مگر علو لفظ میں ایک مدمقابل کا تصور بھی لازماً ابھر آتا ہے۔ ایسی چیز جو کسی دوسرے پر غالب ہو کسی دوسرے سے بلند ہو اور یہ علو جو خدا تعالیٰ کی صفت کا حصہ ہے یہ بھی خدا تعالیٰ کی ہر صفت کے ساتھ چسپاں ہو کر غیر اللہ کے مقابل پر اطلاق پائے گا۔ جب آپ کہتے ہیں کہ خدا اعلیٰ ہے تو اپنی ہر صفت میں ہر غیر اللہ کے مقابل پر اعلیٰ ہے اور ان معنوں میں اس لفظ میں بھی ایک علو مرتبت پائی جاتی ہے جو ہر صفت کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہے۔

لفظِ علو پر جب ہم غور کرتے ہیں قرآن کریم کی مختلف آیات کی روشنی میں تو ایک خیال تو اس طرف جاتا ہے کہ لفظ علو میں ایک تنزیہی رنگ پایا جاتا ہے۔ یعنی فی الحقیقت سوائے خدا کے کوئی اعلیٰ نہیں ہو سکتا اور جس کسی نے بھی دعویٰ کیا اس نے جھوٹا دعویٰ کیا۔ دوسرے اگر کوئی اعلیٰ بنا بھی ہے تو زمینی طور پر ادنیٰ صورت میں اعلیٰ بنا ہے لیکن فی الحقیقت اسے کوئی بلندی نصیب نہیں ہوئی۔ تیسرے یہ کہ اگر کوئی اعلیٰ بننا چاہتا ہے تو خدا کے حضور جھکنے کے نتیجے میں وہ اعلیٰ بن سکتا ہے اور تب اعلیٰ ہو سکتا ہے اگر اس کی نسبت خدا کی طرف ہو جائے اس کے بغیر غیر اللہ کو کوئی علو نصیب نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک خدا تعالیٰ کے انبیاء کے دشمنوں کا تعلق ہے۔ سب سے زیادہ لفظِ علو ان معنوں میں کہ

غاصبانہ قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی اس لفظ پر فرعون کے لئے استعمال ہوا ہے۔ کسی نبی کے مدِّ مقابل کے متعلق خدا تعالیٰ نے لفظ علو کا اس طرح بار بار استعمال نہیں فرمایا لیکن فرعون کے متعلق فرماتا ہے: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا (القصص: ۵) کہ فرعون نے زمین میں علو اختیار کیا جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اس کا علو زمین سے نسبت رکھنے والا علو ہے۔ پھر فرمایا: اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ (یونس: ۸۴) فرعون زمین میں علو کرنے والا ہے۔ اور اس کے مقابل پر مومنوں کے متعلق یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ زمین میں علو نہیں چاہتے۔ فرمایا: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ یہ دار آخرۃ ہے۔ یہ آخرت کی کامیابی جس سے مراد دنیا میں بھی ہر مقابلے کے آخر پر ان کا کامیاب رہنا ہے اور یوم آخرت کی کامیابی بھی مراد ہے۔ تو فرمایا بالآخر فتح پانے والے یہ لوگ یہ مومنین کی جماعت لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ یہ زمین پر غلبے کی تمنا رکھ کر کوئی کام نہیں کرتے یا زمینی غلبہ کے تصور میں کوئی کام نہیں کرتے۔ روحانی غلبے کا تصور تو ان کے ذہن میں ہوتا ہے وہی ان کے محرکات میں سب سے بڑا محرک ہوتا ہے لیکن عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

پھر فرعون نے جس قوم پر علو اختیار کیا قوموں میں سے اسی قوم کے متعلق پھر خدا تعالیٰ نے لفظِ علو استعمال فرمایا اور بہت بڑی اس میں عبرت ہے۔

خصوصاً جماعت احمدیہ کے لئے اس میں بہت ہی گہرا پیغام ہے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ ایک عبرت کا نشان ہے اس بات میں۔

یہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا کمال ہے کہ اگر چہ بظاہر آیات مختلف وقتوں میں الگ الگ استعمال ہوئی ہیں لیکن جب ان کو جوڑ کر پڑھتے ہیں تو حیرت انگیز ان میں ربط نظر آتا ہے، مضمون کے اندر یکسانیت ملتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلق ملتا ہے۔ فرعون کو چنا گیا اس اظہار کے لئے کہ بعض لوگ زمین میں علو اختیار کرتے ہیں اور خدا کے کمزور بندوں پر غالب آ کر علو کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کے مقابل پر بنی اسرائیل کو ایک نہایت ہی مظلوم حالت میں دکھایا گیا جن پر حد سے زیادہ مظالم توڑے جا رہے تھے آیا اور پھر وہ قوم جو کسی زمانہ میں حد سے زیادہ مظلوم تھی، کسی فانی بندہ کے علو

کے ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی جب وہ قوم خود بگڑ گئی خدا نے اسے ترقیات عطا فرما دیں تو اور بگڑنے کے بعد اس نے خود زمین میں علو اختیار کرنا شروع کیا اور یہ بات بھول گئی کہ اس کا دشمن تو صرف اس لئے ہلاک کیا گیا تھا کہ اس نے ان کے خلاف علو اختیار کیا تھا۔ یہ کیسے آخری ہلاکت سے بچ جائیں گے اگر یہ نصیحت نہیں پکڑیں گے اور خود فرعون کی جگہ لے کر خدا کے بندوں کے مقابل پر علو اختیار کرنا شروع کر دیں گے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا (بنی اسرائیل:۵) کہ تمہارے متعلق یہ لکھی ہوئی بات تھی کہ اے بنی اسرائیل تم دو دفعہ زمین میں علو اختیار کرو گے اور فساد کے ساتھ علو اختیار کرو گے لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا بہت ہی بڑا علو اختیار کرو گے۔ جب فرعون نے علو کیا تو اس نے یہ دعویٰ کیا انا ربکم الاعلیٰ قرآن کریم فرماتا ہے: فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴿۲۵﴾ (النازعات:۲۵) یہاں تک دعویٰ کر بیٹھا کہ میں ہی تمہارا اعلیٰ رب ہوں ۔اس کے مقابل پر اللہ تعالیٰ نے اس کو حقیر اور ذلیل کرنے کے لئے ایک عجیب رنگ اختیار فرمایا۔ موسیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا: لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ (طٰہٰ:۶۹) یہ مجھ پر علو اختیار کر رہا ہے یہ دعوے کر رہا ہے کہ مجھ سے بھی بڑا ہے تو میرا ایک حقیر ادنیٰ خادم ہے اور اتنا کمزور ہے کہ ڈر رہا ہے اپنے ہاتھ کے سونٹے سے ڈر رہا ہے فرمایا: لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ ہرگز نہ ڈر تو ایک عظیم اور اعلیٰ ذات کی طرف منسوب ہونے والا بندہ ہے اس لئے اس فرعون پر تجھے ہم علو عطاء کریں گے اور اس کے مقابل پر تو اعلیٰ ٹھہرے گا۔

تو کہاں یہ کہ نعوذ باللہ من ذالک وہ اپنے رب سے اعلیٰ ہو وہ اس کے ایک نہات ہی ادنیٰ اور ایک عاجز بندے کے مقابل پر بھی ذلیل اور خوار کر دیا گیا اور وہی آخر اعلیٰ ٹھہرا۔ اور موت سے پہلے اس کو اقرار کرنا پڑا کہ موسیٰؑ بہر حال غالب آیا اور میں مغلوب ہو گیا ہوں ۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے لئے جب فرمایا کہ تم دو دفعہ زمین میں علو اختیار کرو گے تو اس کے مقابل پر بھی کسی قوم سے یہ وعدہ ہونا چاہئے تھا کہ تمہارے مقابل پر وہ علو اختیار نہیں کر سکیں گے اور لازماً ناکام اور ذلیل ہوں گے اور وہ قوم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ماننے والوں کی قوم ہے۔

اور عجیب شان ہے قرآن کریم کی کہ بنی اسرائیل سے یہ وعدہ تھا کہ تمہیں دو دفعہ زمین میں فساد کا موقع ملے گا اور دو دفعہ تم علو اختیار کرو گے اور دو ہی مرتبہ قرآن کریم میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلاموں کو اعلیٰ ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے۔ فرمایا وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ (آل عمران: ۱۴۰) اے محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلامو! تم ہرگز تھک نہ جانا، سستی نہ اختیار کرنا وَ لَا تَحْزَنُوْا اور جو کچھ تمہیں دکھ دیئے جا رہے ہیں یا نقصان پہنچایا جا رہا ہے ان پر غم نہ کرنا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ تم اعلیٰ ٹھہرو گے اور تمہارے مقابل دشمن لازماً رسوا اور ذلیل کئے جائیں گے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ شرط یہ ہے کہ تم مومن ٹھہرنا۔

پھر دوسری جگہ فرمایا فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۗ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ (محمد: ۳۶) کہ دیکھو سست نہ ہو جانا ایسی حالت میں کہ سستی تمہیں مجبور کر دے کہ کمزوری کی وجہ سے صلح کے لئے ہاتھ بڑھاؤ۔ صلح کے لئے ہاتھ بڑھانا اچھی چیز ہے لیکن بزدلی اور کمزوری کے نتیجے میں صلح کے لئے ہاتھ بڑھانا یہ بہت مکروہ فعل ہے جس سے خدا تعالیٰ امت محمدیہ کو منع فرما رہا ہے۔ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اور پھر تمہیں ضرورت بھی کیا ہے۔ ایک باغیرت آدمی تو مٹ جانا پسند کرتا ہے بجائے اسکے کہ کمزوری کے نتیجے میں ہاتھ بڑھائے صلح کی خاطر، امن کی خاطر صلح کا پیغام دینا یا دنیا میں اصلاح کے لئے اپنے دشمن کو معاف کر دینا یہ بالکل اور بات ہے لیکن کمزور ہو کر جان بچانے کے لئے صلح کے لئے ہاتھ بڑھانا یہ ایک ایسی بزدلی ہے جو قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ امت محمدیہ کو زیب نہیں دیتی لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ یعنی حد ہوگی بے وقوفی اور حماقت کی کہ تم یہ کمزوری دکھا جاؤ جبکہ تمہیں وعدہ ہے کہ تم اعلیٰ قرار دیئے جاؤ گے، تم نے لازماً غالب آنا ہے وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ خدا تمہارے ساتھ ہے تمہیں کیا خوف ہے غیر اللہ کا کیا خوف ہے وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وہ ہرگز تمہارے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا۔

تو جن بنی اسرائیل کو دو دفعہ جھوٹے علو کا موقع دیا جائے گا کہ وہ تمام دنیا میں خدا کے بندوں کو مغلوب کر دیں ان کے مقابل پر دو ہی مرتبہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلاموں کو یہ خوش خبری دی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ کے مقام کی عظمت کا بھی اس سے اظہار ہوتا ہے۔ انبیاء میں سے صرف حضرت موسیٰؑ کو چنا گیا یہ کہنے کے لئے کہ تم اعلیٰ ٹھہرو گے۔ مگر یہاں محمد رسول اللہ ﷺ کو

نہیں فرمایا کہ تم اعلیٰ ٹھہرو گے آپؐ کے غلاموں کو فرمایا کہ تم اعلیٰ ٹھہرو گے۔

ع تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

(درثمین صفحہ: ۱۷)

شان امت محمدیہ دیکھیں کہ کتنی حیرت انگیز شان ہے کہ خدا تعالیٰ نے لفظ اعلیٰ کا استعمال پہلے نبی کے متعلق فرمایا تھا اب نبی کے غلاموں کے متعلق فرما رہا ہے۔

پس یہ جو لفظ اعلیٰ ہے جب ہم خدا تعالیٰ کی حمد کے گیت گاتے ہیں **سبحان ربی الاعلیٰ** تو اس میں زمانے کے تمام فسادات کا علاج بھی موجود ہے۔ فرعون خواہ اول ہو یا ثانی ہو یہود خواہ اول ہوں یا یہود کے مظہر ہوں جس قسم کے بھی فرعون ہمارے سامنے آئیں گے جس قسم کے بھی یہود ظاہر ہوں گے آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق **اگر آپ مومن رہیں گے، اگر آپ اپنے سجدوں کو سچی حمد سے بھر دیں گے تو خدا کی قسم! آپ ہی غالب رہیں گے اور آپ ہی غالب رہیں گے کہ خدا تعالیٰ تکرار کے ساتھ آپ کو بتا رہا ہے کہ اے محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلامو! تم پر کسی اور قوم کو، کسی اور فرعون کو غلبہ نصیب نہیں ہو سکتا، ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تم اعلیٰ ٹھہرو گے لیکن** شرط یہ ہے کہ ربِّ اعلیٰ کے حضور جھکے رہنا اور زمین میں علو کی تمنا نہ کرنا کیونکہ زمین میں علو کی تمنا کرنے والے ہمیشہ ذلیل قرار دیئے جاتے ہیں۔

پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کی ترقی اور جماعت احمدیہ کے غلبہ اور جماعت احمدیہ کی فلاح و بہبود کا راز جماعت احمدیہ کے رکوع اور سجدے میں ہے۔ جتنا آپ کا رکوع **ربی العظیم** کے حضور عاجزی اختیار کرے گا اتنا ہی زیادہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اچھی عظمتیں نصیب ہوں گی۔ جتنا آپ کے سجدے خدا تعالیٰ کے حضور انتہائی انکساری اختیار کریں گے اسی قدر رب اعلیٰ کی طرف سے آپ کو علو نصیب ہوگا۔ نہ عظمتوں میں کوئی قوم آپ کا مقابلہ کر سکے گی نہ علو مرتبت میں کوئی قوم آپ کا مقابلہ کر سکے گی اور اگر آپ رکوع اور سجدہ کو لازم بنا لیں اور پکڑے رہیں اور نہ تھکیں اور جان سے زیادہ عزیز بناتے ہوئے ان کے ساتھ چمٹے رہیں تو ہمیشہ کے لئے آپ کی عظمتیں بھی بڑھتی رہیں گی اور آپ کا علو مرتبت بھی بڑھتا رہے گا کیونکہ سجدوں میں جس خدا کی عظمت کے آپ گیت گاتے ہیں اس کی عظمتوں کی انتہا کوئی نہیں جتنا زیادہ آپ اس کی معرفت میں ترقی کریں گے اتنا ہی

زیادہ آپ کو عظمتیں نصیب ہوتی چلی جائیں گی اسکے علو کی بھی کوئی انتہاء نہیں ہے جتنا زیادہ آپ اسکے علو کے مفہوم کو سمجھتے چلے جائیں گے اتنا ہی زیادہ آپ کو علوِّ مرتبت نصیب ہوتی چلی جائے گی۔

پس جہاں میں جماعت کو بار بار نماز کے قیام کی تلقین کر رہا ہوں وہاں نمازوں کو مغز اور روح سے بھرنے کی بھی تلقین کر رہا ہوں کیونکہ قیام نماز سے مراد محض ظاہری قیام نہیں بلکہ نماز کی روح کو قائم کرنا ہے۔ اس پہلو سے نماز کی حیثیت ویسی ہی ہوگی جیسے پھل ہو جو رَس سے بھرا ہوا ہو، اگر وہ رس سے بھرا ہوا نہیں اور خالی ہے تو جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا بعض دفعہ وہ نقصان کا موجب بھی بن جاتا ہے۔ جب ایک انسان نماز شروع کرتا ہے تو اس کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے ایک سرکنڈا ہو دیکھنے میں خوبصورت نظر آتا ہے اور نیشکر سے ملتی ہے اسکی شکل یعنی وہ گنّا جس سے میٹھا رس نکلتا ہے اسکے بالکل مشابہ ہوتا ہے اور ظاہری صفات میں ویسا ہی نظر بھی آتا ہے یا نیشکر ہو لیکن ابتدائی حالت میں وہ بظاہر وہ گنّا ہی کہلائے گا لیکن فی الحقیقت اس کی صفات اس وقت سرکنڈے سے ملتی جلتی ہیں۔ تو نماز صرف نماز کو ظاہری شکل دینا مقصود نہیں ہے۔ وہ اگلے اقدامات بھی کریں جس سے نماز رَس سے بھرنے لگے اس کے اندر ایک روح پیدا ہو جائے اور نماز کو بھی ایک خَلْقِ آخر عطا ہو جائے، اچانک وہ مادی چیزوں سے نکل کر ایک زندہ چیز ایک روحانی چیز میں تبدیل ہو جائے۔ اس کے لئے ایک لمبی جدوجہد کی ضرورت ہے اور نماز کے ہر ہر لفظ میں جتنا بھی آپ غور کریں گے بہت سی ایسی باتیں نظر آئیں گی جس سے آپ کو نماز قائم کرنے میں مدد ملتی چلی جائے گی۔ پس ہر لفظ پر غور کریں اور کوشش کریں اس کے معانی کو پانے اور پھر معانی کو اپنانے کی۔

کوئی ایک لفظ بھی نماز میں ایسا استعمال نہیں ہوا جس کے اندر گہرائی اور وسعت نہ پائی جاتی ہو۔ سجدوں کے بعد آپ بیٹھتے ہیں تو پہلا کلمہ خدا کے حضور یہ عرض کرتے ہیں: **التحیات** پھر کہتے ہیں **والصلوت والطیبات**۔ **التحیات** کیا چیز ہے۔ التحیات کا تو مطلب ہے تحفے جب آپ لفظ التحیات کہتے ہیں تو فوراً ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں عاجز حقیر انسان خدا سے مانگنے نکلا تھا اس کی چوکھٹ پر اپنا سر رکھ دیا میں کیا تحفے پیش کروں گا۔ اور **التحیات للہ** کہہ کر یہ بھی فرما دیا کہ تحفے ہیں ہی دراصل خدا کے لئے۔ اور ہر قسم کے تحفے خدا تعالیٰ کے لئے ہیں اس لفظ پر بھی جب آپ غور کرنے لگیں تو نماز کی نئی لذّت آپ کو نصیب ہو جائے گی۔ نماز کو عمدگی سے ادا کرنے کے لئے

طریق آپ کو مل جائیں گے۔ سب سے پہلی بات یہ کہ تحفہ تو ایک ایسی چیز ہے کو کہتے ہیں جس میں جبر کا کوئی پہلو نہیں، کراہت کا کوئی پہلو نہیں اور محبت کے سوا کوئی جذبہ نہیں ہے جو انسان کو اپنی ایک چیز چھوڑ کر دوسرے کی طرف منتقل کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ کسی اور انتقال میں یہ بات نہیں پائی جاتی سوائے تحفے کے۔ خالصۃً محبت اور پیار کے نتیجہ میں جو چیز پیش کی جاتی ہے اس کا نام تحفہ ہے اور پیار سے جو چیز پیش کی جاتی ہے اس میں اکتاہٹ نہیں ہوسکتی، اس میں بیزاری پیدا نہیں ہوسکتی۔ وہ سجا کر پیش کی جاتی ہے، سنوار کر پیش کی جاتی ہے۔

تو جب کہا جاتا ہے **التحیات للّٰہ** تو سب سے پہلے **التَّحِیات** کا اطلاق نمازوں پر ہوتا ہے کیونکہ اس کے معاً بعد فرمایا **الصلوت و الطیبات** فرمایا اپنی نمازوں کو تحفے بنا کر پیش کرو بیگار کے طور پر نہ پڑھنا اس طرح نہ پڑھنا کہ تم مجبور ہو اور کُسَالٰی کی حالت میں خدا کے سامنے یہ نمازیں پیش کر رہے ہو جبکہ دل اس میں شامل نہیں۔ چٹی ادا کی اور فارغ ہو کر انسان باہر چلا گیا۔ اگر یہ روح ہے تو یہ **التحیات** کہلا ہی نہیں سکتی تو **التحیات** کہتے ہی جہاں ایک معنی انسان کو ملتا ہے وہاں ایک خطرے کا الارم بھی بجنا شروع ہو جاتا ہے۔ اچانک مومن لرز اٹھتا ہے کہ جو کچھ نمازیں میں نے پڑھی ہیں ان کو میں تحفہ کہہ بھی سکتا ہوں؟ ان میں وہ بات وہ شان پائی بھی جاتی ہے جو تحفوں کی شان کہلاتی ہے اور پھر کس کے حضور پیش کر رہا ہوں **رب عظیم** اور **ربی الاعلیٰ** کے حضور اور اس کو تحفہ کہہ رہا ہوں جو میں نماز پڑھ رہا ہوں؟ اچانک انسان کی توجہ اس طرف مبذول ہو جاتی ہے اور انسان اپنے نفس کا کھوج لگانے لگ جاتا ہے کہ کہیں یہ نیشکر کی جگہ سرکنڈے تو نہیں جنہیں میں سجا کر خدا کے حضور لے جا رہا ہوں اور آگے ان میں رس کوئی نہ نکلے۔ کہیں ایسے پھل تو نہیں جو کھٹے ہیں یا جو گل سڑ چکے ہوں۔ ان کے اندر روح اور مواد تھوڑا ہے اور ضرر والی چیز اور نقصان والی چیز زیادہ ہے ۔ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللهَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء:۱۴۳) پر تو یہ مضمون تو نہیں صادق آ رہا میری نماز پر کہ پھل والی چیز تو بہت تھوڑی ہے اور جو پھل کو نقصان پہنچانے والے اجزاء ہوتے ہیں وہ زیادہ ہو گئے ہوں۔

پھر کھلیان کی طرف انسان کا تصور جا سکتا ہے۔ کبھی انسان اپنے کھیتوں کی چیزیں چاول گندم اور اس قسم کی چیزیں کھلیان سے نکالتا ہے اور کسی محبوب کے حضور تحفے کے طور پر پیش کرنے کے لئے لے جاتا ہے۔ اچانک اسے خیال آئے کہ یہ تو سب کیڑے نے کھا لیا تھا۔ یہ تو سسری نے تباہ کر

کے رکھ دیا صرف گندگی کا ڈھیر ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔تو ایسا تحفہ دینے والا کیا محسوس کرے گا اگر اسکا احساس تیز ہے، اگر اس کا شعور بیدار ہے تو ہوسکتا ہے وہ عرقِ ندامت میں غرق جائے یہ خیال کر کے بھی کہ کسی پیارے کے حضور یہ چیز تحفے کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے؟ ہاں اگر دھوکہ طبیعت میں رکھتا ہے تو شاید اس کے دل میں یہ خیال آئے کہ دھوکا چل جائے گا۔ میں بادشاہ کے حضور نذر گزران آؤں گا اس کے بعد دیکھی جائے گی۔کیا پتہ چلتا ہے کیا ہوا۔ بڑا سجا کے اس گندی چیز کو بھی لے جاتا ہے۔عجیب بات ہے کہ ایسی نمازوں کے متعلق قرآن کریم نے یہی لفظ استعمال کیا ہے

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ...... وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ (البقرہ:۱۰)

یہ بیوقوف تحفے پیش کرتے ہیں جانتے ہوئے کہ یہ گندے ہیں جانتے ہوئے کہ یہ کیڑوں نے کھائے ہوئے ہیں ان کے اندر کچھ بھی نہیں رہا اور پھر یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کو دھوکا دے دیں گے۔پس دھوکے کا مضمون اگر دل سے نکل جائے اگر اپنی نماز کا عرفان نصیب ہو جائے تو پھر وہی گندی وہی ناکارہ چیز بھی خدا تعالیٰ چاہے تو قبول فرما سکتا ہے لیکن دھوکے کے ساتھ نہیں عجز کے ساتھ۔ایک انسان کے پاس اور کچھ نہیں ہے وہ کوشش بھی کرتا ہے اس کو کچھ نصیب نہیں ہوتا اور جو کچھ ہے وہ سمیٹ کر اس میں سے اچھی چیز اپنے پیارے کے حضور پیش کرتا ہے، لفظ تحفہ اس پر بھی اطلاق پائے گا لیکن دھوکے والے پر نہیں۔

پس یہ درست ہے کہ ہر انسان کی نماز کی کیفیت الگ الگ ہوگی اور ویسی نماز حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوسکتی جسے کامل تحفہ کہا جاتا ہے مگر اس کے باوجود اگر دھوکے کا پہلو بیچ میں سے نکال دیا جائے اور پورے عرفان کے ساتھ انسان عاجزی کے ساتھ خدا کے حضور یہ عرض کرے کہ اے خدا! کچھ بھی نہیں ہے میرے پاس لیکن دیانت داری سے میں تجھے پیار کرنا چاہتا ہوں، دیانت داری سے تیرے حضور کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں، اس کھائے ہوئے سامان کو قبول کر لے، ان کمزور نمازوں میں تو جان ڈال دے کیونکہ جسے تو قبول کرلے گا اسے عظمت نصیب ہو جائے گی۔ اس کا گہرا تعلق آنحضرت ﷺ کی عبادات سے ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر تم سچ مچ اپنی عبادتوں کو خوبصورت اور حسین بنانا چاہتے ہو تو محمد مصطفیٰ ﷺ سے اس کے طریق سیکھو کیونکہ اس کے معاً بعد فرمایا **السّلام علیک ایّھا النبیّ** اے محمد مصطفیٰ ﷺ! اے نبی کامل! تحفے تو تو نے ادا کئے تھے، تجھ

پر سلامتی ہو صلوات اور طیبات کا حق تو تو نے ادا کیا تھا تجھ پر سلامتی ہو اور ان لوگوں پر جنہوں نے تجھ سے گر سیکھے ان مومنین پر جنہوں نے تجھ سے یہ فیض پایا۔

پس جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے نماز کے ہر ہر کلمے میں نماز کی ہر ہر ادا میں ایک گہرا فلسفہ ہے، گہرے پیغامات ہیں، لامتناہی ترقیات کے دروازے کھلتے ہیں ہر ہر کلمے پر اور پھر ایسے ایسے جہان کھلتے ہیں کہ جن کی سیر خود اپنی ذات میں لامتناہی ہو جاتی ہے۔ ساری عمر یہ نمازیں ایک انسان پڑھتا رہے اور عرفان کے ساتھ پڑھتا رہے ان نمازوں میں ڈوب کر پڑھتا رہے تب بھی حقیقت یہ ہے کہ وہ اس عالم کی پوری سیر نہیں کر سکتا لیکن جسے سیر کے مواقع ملے ہوں اور غفلت کی حالت میں گزر جائے اس بے چارے کے پلے کیا آئے گا، اس کے ہاتھ میں کیا آئے گا۔ اس لئے جب ان سب باتوں پر انسان غور کرتا ہے تو مزید عجز پیدا ہوتا ہے، مزید خدا کے حضور روح سجدہ ریز ہوتی ہے اس کے حضور انسان کا وجود رکوع میں چلا جاتا ہے۔ پس رکوع اور سجود کی کیفیت پیدا کریں اپنی نمازوں میں اور خدا تعالیٰ کی حمد کے وہ گیت گائیں جس کے نتیجے میں خدا خود فرمائے۔ **سمع اللہ لمن حمدہ** اللہ نے سن لی ہے اپنے اُن بندوں کی جنہوں نے اس کی تعریف کی جنہوں نے اس کی حمد کے گیت گائے۔

میں آخر پر آپ کو اس تعلق میں ایسا ایک عجیب واقعہ بتانا چاہتا ہوں جو گزشتہ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات کو ہوا اور اس کا گہرا تعلق اسی مضمون سے ہے۔ گزشتہ جمعہ کو چونکہ نماز کا ہی مضمون چل رہا تھا۔ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات کو تہجد کی نماز میں مجھ سے ایک ایسا واقعہ ہوا ہے جو بعض پہلوؤں سے حیرت انگیز ہے۔ تہجد کی نماز شروع ہوتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا محسوس نہیں کہنا چاہئے بلکہ اچانک میں گویا کہ ڈاکٹر حمید الرحمٰن بن گیا۔ ڈاکٹر حمید الرحمٰن صاحب جن کا میں ذکر کر رہا ہوں اس وقت وہ تو ایک Symbol کے طور پر آئے تھے مگر میں پہلے ان کا تعارف کروا دوں۔

ڈاکٹر حمید الرحمٰن ہمارے ایک نہایت ہی مخلص فدائی احمدی جو صوبہ سرحد سے متعلق رکھتے تھے خلیل الرحمٰن صاحب ان کے صاحبزادہ ہیں اور امریکہ میں ڈاکٹر ہیں اور ڈاکٹر پروفیسر عبدالسلام صاحب کے داماد ہیں اور بہت نیک پاک طینت رکھتے ہیں۔ سلسلہ کے کاموں میں قربانیوں میں پیش پیش۔ سادہ، منکسر المزاج اور جہاں تک انسانی نگاہ کا تعلق ہے تقویٰ شعار انسان ہیں۔

تہجد کی نماز شروع ہوتے ہی وہ نماز گویا میں نہیں پڑھ رہا تھا بلکہ میں اور ڈاکٹر حمید الرحمٰن ایک وجود بن کر پڑھ رہے تھے اور کوئی تفریق نہیں تھی۔ یہ کوئی آناً فاناً واقعہ نہیں ہوا کہ آیا اور گزر گیا بلکہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تہجد کے دوران جب میں سلام پھیرتا تھا تو یہ تصور غائب ہو جاتا تھا اور جب دوبارہ شروع کرتا تھا تو بغیر شعور کے پتہ نہیں لگتا تھا کہ کس وقت یہ واقعہ شروع ہوا ہے اچانک میری Personality میرا وجود جو خدا کو مخاطب کر رہا تھا وہ حمید الرحمٰن تھا اور جیسے حلول کر جاتی ہے روح اس طرح میرے اندر حمید الرحمٰن کی روح گویا حلول کر گئی اور مجھے اس پہ تعجب نہیں ہوا اور نماز کے دوران بالکل احساس نہیں ہوا کہ کوئی عجیب واقعہ گزر رہا ہے بالکل نارمل طریقے سے جس طرح وہ ڈاکٹر حمید الرحمٰن کھڑے ہوتے ہوں گے نماز کے وقت اور اپنے متعلق سوچ رہے ہیں کہ میں حمید الرحمٰن ہوں جب خیال آتا ہے وہی کیفیت تھی لیکن ساتھ یہ بھی کہ میں بھی ہوں اور اس عجیب امتزاج پر تعجب کوئی نہیں تھا اور جب نوافل کے درمیان وقفہ پڑتا تھا تو اس طرف دماغ بھی نہیں جاتا تھا اس وقت یعنی اس وقت بھی احساس نہیں ہوا کہ یہ کیا واقعہ ہو رہا ہے یہاں تک کہ قریباً ایک گھنٹہ تک مسلسل یہی کیفیت رہی ہے اور جب یہ کیفیت گئی ہے تو پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ کیا واقعہ ہو گیا میرے ساتھ۔

اس پر جب میں نے غور کیا تو ایک تو اس میں بہر حال جس وجود کو خدا تعالیٰ نے اس خوشخبری کے لئے چنا ہے اس کے لئے بھی بہت بڑی خوش خبری ہے لیکن میں نے غور کیا تو مجھے پتا چلا کہ اس میں ایک خوشخبری بھی بہت عظیم الشان ہے اور نجات کی راہ بھی ہمیں دکھائی گئی ہے۔ خلیفہ وقت کے وجود میں دراصل ساری جماعت دکھائی جاتی ہے اور خوشخبری یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کوششوں کو قبول فرمایا جو بار بار نمازوں کی اہمیت ذہن نشین کرانے کے لئے میں نے کیں اور یہ خوشخبری تھی کہ مبارک ہو جماعت حمید الرحمٰن بن گئی ہے۔ وہ اپنے رحمٰن خدا کی حمد کے گیت گا رہی ہے کل عالم میں یہاں تک کہ گویا حمید الرحمٰن اور جماعت کا وجود ایک ہی ہو چکا ہے اور دوسری طرف ایک ترقی کی راہ دکھائی گئی ہے اور اس زمانہ کی ساری مشکلات کا حل بتایا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اگر تم حمید الرحمٰن ہو جاؤ تو تمہیں پھر دنیا میں کسی اور چیز کی پرواہ نہیں رہے گی اور چونکہ حمد کا مضمون عظیم اور اعلیٰ کی صفات کے مابین باندھا گیا ہے اس لئے مجھے یہ تعبیر سمجھ آئی اور یہ خطبہ میں نے اسی تعبیر کی رو سے آج دیا ہے کہ **حمد کا معراج ہے رب عظیم کے گن گانا اور حمد کا معراج ہے رب اعلیٰ کے گن گانا اور حمد کا معراج ہے رکوع**

کی حالت میں حمد کرنا اور حمد کا معراج ہے سجود کی حالت میں حمد کرنا۔

پس اپنے رکوع اور سجود کو حمد سے بھر دیں، اپنے سارے وجود کو حمدِ ربِّ رحمٰن سے بھر دیں یہاں تک کہ ساری جماعت خدا کے حضور حمید الرحمٰن بن کر دست بستہ کھڑی ہو جائے۔ یہ حالت اگر آپ پر طاری ہوگئی جیسا کہ اس خوش خبری میں بتایا گیا ہے کہ خدا کے نزدیک انشاء اللہ اگر ابھی پوری طرح نہیں تو کل ضرور طاری ہو جائے گی۔ تو پھر میں آپ کو یہ خوش خبری دیتا ہوں خدا تعالیٰ کی طرف سے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ **خدا کی قسم! تم غالب رہو گے، خدا کے قسم تم غالب رہو گے کیونکہ خدا کے حمید الرحمٰن بندوں پر کوئی دنیا کی چیز غالب نہیں آسکتی۔**

آخر پر میں ایک تحریک کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو پتہ ہے کہ جلسہ سالانہ مرکزیہ کے ایّام قریب آئے ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ایسا دشمن جو دنیا میں ربِّ اعلیٰ بننے کا عملاً دعویٰ کر رہا ہے، ایسا دشمن جس نے فساد کی نیّت سے دنیا میں علو اختیار کر لیا ہے وہ جماعت احمدیہ کی ہر نیک تحریک کی راہ میں حائل ہو رہا ہے اور بڑی شان کے ساتھ دعوے کر رہا ہے گویا کہ ہم **نعوذ باللہ من ذالک** اس کے بندے ہیں اور ہمارا مرنا جینا اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسی علو اور اسی تکبر کے نتیجے میں گزشتہ سال کی طرح امسال بھی جلسہ سالانہ منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی گئی جو 26 (دسمبر) کو ہونا تھا۔ تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ہم اس دن کو اپنا احتجاج کا دن بنائیں۔

تمام دنیا میں سب احمدی احتجاج کریں مگر کوئی ایک لفظ بھی احتجاج کا غیر اللہ کے سامنے نہ ہو اس دن روزہ رکھا جائے اس دن عبادتیں کی جائیں۔ دن کو بھی عبادت کی جائے رات کو بھی عبادت کی جائے اور تمام تر احتجاج ربِّ اعلیٰ سے کیا جائے۔ رکوع میں بھی احتجاج کیا جائے اور سجدوں میں بھی احتجاج کیا جائے اور کہا جائے اے ہمارے رب! ہمارے نزدیک تو ساری عظمتیں تیری ہی ہیں اور تیرے سوا غیر اللہ سے ہم عظمتوں کی کلیۃً نفی کرتے ہیں۔ ایک کوڑی کی بھی ہمیں پرواہ نہیں دنیا کی عظمتوں کی اور ہمارے نزدیک صرف تو اعلیٰ ہے اور ہر غیر تیرا جو اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جھوٹا ہے اور لازماً ناکام اور نامراد ہونے والا ہے۔ پس تیرے حضور ہم ان دنیا کی عظمتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے خلاف احتجاج کرتے ہیں اور تیرے حضور ربِّ اعلیٰ کا دعویٰ کرنے والوں کے خلاف احتجاج کرتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک تو سوائے تیرے نہ کسی کو عظمت حاصل ہے اور نہ کسی کو علو

حاصل ہے۔ پس اس روح کے ساتھ اس جذبہ کے ساتھ 26 دسمبر کو یوم احتجاج بنادیں اور سارے عالم میں احمدی حمید الرحمٰن بن کر خدا کے حضور یہ احتجاج کی آواز بلند کریں۔